قادیانیت کا ظہور

اس کا دعویٰ اور دعوت
اور اس کے مؤیّد و سرپرست

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

سید احمد شہید اکادمی
نفیس منزل
۳/۱۷۷ کریم پارک ○ لاہور
فون: ۷۷۲۸۱۹۰

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی ومجلس علمی دار المصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطۂ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب	قادیانیت کا ظہور
تصنیف	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فہرست

ختم نبوّت انعام خداوندی اور اُمّتِ اسلامیہ کا امتیاز ہے۔	۵
ذہنی انتشار سے حفاظت	۸
ختم نبوّت کا زندگی اور تمدّن پر احسان	۹
قادیانیت کی جسارت اور جدّت	۱۱
امّت اسلامیہ کا زمانہ سب سے زیادہ پُر از تغیّرات ہے	۱۳
اسلام کی بقا اور تسلسل کے لیے غیبی انتظامات	۱۳
ادیان سابقہ میں دعویداران نبوّت کی کثرت	۱۴
”قادیانیت“ کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست	۱۷
وفات	۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

خاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

ختمِ نبوّت انعامِ خداوندی اور امّتِ اسلامیہ کا امتیاز ہے

یہ عقیدہ کہ دین مکمّل ہو چکا ہے اور محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النّبیین ہیں، اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمّل نظام ہے، ایک انعامِ خداوندی اور موہبتِ الٰہی ہے، جس کو خدا نے اس اُمّت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واضح اور صریح اعلان قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیت ہے:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ[1]

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں۔"

---

[1] سورۂ احزاب۔ آیت ۴۰

خاتَم اور خاتِم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں،

خاتِمہم وخاتَمہم ای آخرہم (لسان العرب)

خاتم النبیین ای آخرہم (تاج العروس فی شرح القاموس)

خاتِم النبیین وخاتَم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممھا بجیئہ (مفردات راغب اصفہانی)

ھو الذی ختم النبوۃ بجیئہ (تاج العروس)

خاتم النبیین اَی آخر الانبیاء (کشّاف)

والمعنیٰ اَنہ لا نبیَّ اَحدٌ بعدہ (بحر)

خاتم النبیین بفتح التاء ای آخرہم (معالم التنزیل)

ھذہ الاٰیۃ نصٌّ فی اَنّہٗ لا نبیّ بعدہ، وبذلک وردت الأحادیث المتواترۃ عن رسول اللّٰہ عن جماعۃ من الصحابۃ۔ (تفسیر ابن کثیر)

ختم نبوّت یعنی ذات محمّدی پر ہر قسم کی نبوّت کا ختم ہو جانا امّت کا اجماعی عقیدہ ہے، اور جو اجراء نبوّت کا اب بھی قائل ہے، اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اجماع امّت سے زندیق بلکہ مرتد ہے[1]۔

لفظ خاتم میں دو قرأتیں ہیں، امام حَسن اور عاصم کی قرأت خاتَم بفتح التاء ہے، اور دوسرے ائمّہ قرأت خاتِم بکسر التاء پڑھتے ہیں، حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا بفتح التاء دونوں کے معنی آخر کے ہی آتے ہیں، اور مُہر کے معنی میں بھی یہ دونوں

---

[1] تفسیر ماجدی از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی

لفظ استعمال ہوتے ہیں، اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں، کیونکہ مہر کسی چیز پر بند کرنے کے لیے آخر ہی میں کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا خاتم النّبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدّعیِ نبوّت کا کافر د کاذب ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابۂ کرامؓ سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتّفاق رہا ہے[1]

ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس پر بڑے رشک اور حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کو آپ لوگ پڑھتے رہتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوئی ہوتی اور ہم سے متعلّق ہوتی تو ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اپنا قومی تہوار اور یومِ جشن بنا لیتے، اس کی مراد سورۂ مائدہ کی اس آیت،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[2]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمّل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین صرف اسلام کو منظور فرما کر راضی ہو چکا ہوں

سے تھی جس میں ختمِ نبوّت اور تکمیلِ نعمت کا اعلان کیا گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] مستفاد از "معارف القرآن"، جلد ہفتم از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ ربانی بکڈپو، دہلی۔ [2] سورۃ المائدۃ ــــ ۳

نے اس نعمت کی جلالت و عظمت اور اس اعلان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا، صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نئے یومِ مسرّت اور تہوار کی ضرورت نہیں، یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے، اس موقع پر دو دو عیدیں جمع تھیں، یوم عرفہ (۹ رذی الحجہ) اور روز جمعہ۔[1]

ذہنی انتشار سے حفاظت

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور ملّت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی ان تحریکات اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدّت اور عالمِ اسلام کے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہی ہیں، اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام ان مدّعیان نبوّت اور محرّفین دین کا

---

[1] روایت صحیح بخاری، کتب صحاح و سنن حدیث کے الفاظ مسند امام احمد بن حنبل کے ہیں، حدیث مذکور حسب ذیل ہے، جاء رجل من الیھود إلی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه فقال: یا امیر المومنین انکم تقرؤن آیة فی کتابکم لو علینا معشر الیھود نزلت لاتخذنا ذٰلك الیوم عیداً، قال، وای آیة؟ فقال قوله: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"، فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه، واللہ انی لاعلم الیوم الذی نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والساعة التی نزلت فیھا علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ وسلم عشیة عرفة یوم جمعة۔

بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا، جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے، "ختم نبوّت" کے اسی حصار کے اندر یہ ملّت ان مدّعیوں کی دست برد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس ڈھانچہ کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے، اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امّت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی، اور اتنے طویل عرصہ تک اس کی دینی اور اعتقادی وحدت اور یکسانی قائم رہی، اگر یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امّتِ واحدہ ایسی صدہا امّتوں میں تقسیم ہو جاتی، جن میں سے ہر اُمّت کا روحانی مرکز الگ ہوتا، علمی و تہذیبی سرچشمہ الگ ہوتا، ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی، ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہوتے، ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

ختم نبوّت کا زندگی اور تمدّن پر احسان

عقیدۂ ختم نبوّت درحقیقت نوعِ انسانی کے لیے ایک شرف و امتیاز ہے، وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوعِ انسانی سنِّ بلوغ کو پہونچ گئی ہے، اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خدا کے آخری پیغام کو قبول کرے، اب انسانی معاشرہ کو کسی نئی وحی، کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں، اس عقیدہ سے انسان کے اندر خود اعتمادی کی روح پیدا ہوتی ہے، اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اپنے نقطۂ عروج کو پہونچ چکا ہے، اور اب دنیا کو اس سے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں، اب دنیا کو نئی وحی کے لیے آسمان کی طرف دیکھنے کے بجائے خدا کی پیدا کی

ہوئی طاقتوں سے فائدہ اٹھانے اور خدا کے نازل کیے ہوئے دین و اخلاق کے بنیادی اصولوں پر زندگی کی تنظیم کے لیے زمین کی طرف اور اپنی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے،

عقیدۂ ختم نبوّت انسان کو پیچھے کی طرف لے جانے کے بجائے آگے کی طرف لے جاتا ہے، وہ انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کو اپنی جدّ و جہد کا حقیقی میدان اور رُخ بناتا ہے، اگر ختم نبوّت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب و بے اعتمادی کے عالم میں رہے گا، وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا، وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن اور متشکّک رہے گا، اس کو ہر مرتبہ ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشنِ انسانیت اور روضۂ آدم ابھی تک نامکمّل تھا، اب وہ برگ و بار سے مکمّل ہوا ہے،[1] اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس وقت تک نامکمّل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے؟ اسی طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھولوں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا جو اس کو برگ و بار سے مکمّل کرے۔

علّامہ اقبالؔ نے یہ حکیمانہ و مبصرانہ بات کہی ہے کہ "دین و شریعت کی بقاء تو کتاب و سنّت سے ہے، لیکن امّت کی بقاء ختم نبوّت کے عقیدہ سے وابستہ ہے"

---

[1] ملاحظہ ہو مرزا صاحب کا شعر ؎

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

اور یہ امّت جب ہی تک ایک امّت ہے جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیّین مانتی ہے، اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔[۱]

قادیانیت کی جسارت اور جدّت

اسلام کے خلاف وقتاً فوقتاً جو تحریکیں اٹھیں، ان میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل ہے، وہ تحریکیں یا تو اسلام کے نظام حکومت کے خلاف تھیں یا شریعت اسلامی کے خلاف، لیکن قادیانیت درحقیقت نبوّت محمدی کے خلاف ایک سازش ہے، وہ اسلام کی ابدیت اور اُمّت کی وحدت کو چیلنج ہے اس نے ختم نبوّت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا، جو اس اُمّت کو دوسری امتوں سے ممتاز و منفصل کرتا ہے، اور جو کسی مملکت کے حدود کو حاجز اور حد فاصل بنانے کے لیے قائم کیا جاتا ہے،

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جو ہندوستان کے مشہور اخبار اسٹیٹس مین (STATESMAN) میں شائع ہوا تھا، بڑی خوبی سے قادیانیت کی اس جسارت اور جدّت کو واضح کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے، جس کے حدود مقرر ہیں، یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریمؐ کی ختم رسالت پر

---

[۱] علامہ محمد اقبال کا مقالہ بجواب مضمون پنڈت جواہر لال نہرو، ملاحظہ ہو۔ (ISLAM AND AHMADISM)

ایمان، دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے، اور اس امر کے لیے فیصلہ کُن ہے کہ فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں؛ مثلاً برہمو سماج والے خدا پر یقین رکھتے ہیں، اور رسول کریمؐ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں، لیکن انھیں ملّت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں، اور رسول کریمؐ کی ختم نبوّت کو نہیں مانتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حدّ فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا، ایران میں بہائیوں نے ختم نبوّت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہے اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا، لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملّت کے رسول کریمؐ کی شخصیت کا مرہون منت ہے، میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں، یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں، یا ختم نبوّت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں، ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو، کہ انھیں سیاسی فوائد پہونچ سکیں[1]۔

---

[1] حرف اقبال، "قادیانیت تحلیل و تجزیہ"

اُمّت اسلامیہ کا زمانہ سب سے زیادہ پُر از تغیّرات ہے

یہ دین چونکہ آخری اور عالمگیر دین ہے اور یہ اُمّت آخری اور عالمگیر اُمّت ہے، اس لیے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس اُمّت کا واسطہ رہے گا، اور ایسی کشمکش کا اس کو مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری اُمّت کو دنیا کی تاریخ میں پیش نہیں آئی، اس اُمّت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پُر از تغیّرات اور پُر از انقلابات ہے، اور اس کے حالات میں جتنا تنوّع ہے وہ تاریخ کے کسی گزشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔

اسلام کی بقا اور تسلسل کے لیے غیبی انتظامات

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کے لیے دو انتظامات فرمائے ہیں، ایک تو یہ کہ اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کر سکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، دوسرا اس نے اس کا ذمّہ لیا ہے (اور اس وقت تک کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے) کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے، اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اور اس اُمّت کو سرگرم عمل رکھیں گے، اس دین میں ایسے اشخاص

کے پیدا کرنے کی جو صلاحیت اور طاقت ہے، اس کا اس سے پہلے کسی دین سے اظہار نہیں ہوا، اور یہ اُمت تاریخ عالم میں جیسی مردم خیز ثابت ہوئی ہے، دنیا کی قوموں اور اُمّتوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے، بلکہ انتظام خداوندی ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت و قوّت کے آدمی کی ضرورت، اور زہر کو جس تریاق کی حاجت تھی وہ اس اُمّت کو عطا ہوا۔[۱]

ادیانِ سابقہ میں دعویدارانِ نبوّت کی کثرت

یہودی اور مسیحی تاریخ کو پڑھنے والا اس بات کو صاف طریقہ پر دیکھتا ہے، کہ مدّعیانِ نبوّت کا کثرت سے پیدا ہونا یہودی دنیا کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں اور مسیحی دنیا کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں ایک عظیم الشان آزمائش اور فتنہ بنا ہوا تھا، یہ ان کے لیے ایک زبردست بحران (CRISIS) اور ایک اہم مسئلہ (PROBLEM) کی حیثیت رکھتا ہے، راقم کو سب سے پہلے اس کی طرف توجہ علامہ اقبال (اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے) کی تحریر سے منعطف ہوئی، کہ انھوں نے یہ بصیرت افروز اور عمیق نکتہ لکھا ہے کہ ختم نبوّت اس امت کا طرۂ امتیاز اور اس کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امّت کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے کہ ختم نبوّت کا مختتم اعلان کردیا، گویا انسانوں کو یہ بتایا کہ اب تمہیں بار بار وحی کے انتظار میں آسمان

---

[۱] ان محافظین دین اور مجدّدین و مصلحین کی نمایاں شخصیتوں، ان کے نام اور کام کو جاننے کے لیے راقم کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" ۱-۲-۳-۴-۵ کا مطالعہ کافی ہوگا۔

کی طرف دیکھنا نہیں ہے، اب زمین کی طرف دیکھو، اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں زمین کو (جس میں تم خلیفۃ اللہ فی الارض) بنائے گئے ہو، آباد کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے انسانوں کی قسمت بدلنے، سہولت بہم پہنچانے اور ان کے لیے وہ ماحول مہیا کرنے میں صرف کرو، جو ان کو نجات اخروی اور سعادتِ دُنیوی کے حصول میں معاون ہو، اب تم اپنی توانائی اس میں ضائع نہ کرو کہ ہر تھوڑے وقفہ کے بعد آسمان کی طرف دیکھا کرو کہ کوئی نیا نبی تو نہیں آرہا ہے، کوئی نیا الہام تو نہیں ہو رہا ہے؟ آسمان سے براہ راست کوئی نئی رہنمائی ہونے والی ہے؟ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ختم نبوّت ایک ایسی نعمت ہے جس نے اس امّت کو انتشار، ذہنی کشمکش اور جعل سازوں کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچالیا۔[1]

راقم نے اسی روشنی میں یہودیت اور مسیحیت کی تاریخ براہ راست پڑھنی شروع کی تو اس نے دیکھا کہ یہودی اور مسیحی علماء سر پکڑ کر (اور اس میں مبالغہ یا غلط بیانی نہیں) رو رہے ہیں، اور اس پریشانی کا اظہار کر رہے ہیں، کہ ہم کیا کریں؟ عجیب مصیبت ہے روز ایک نیا مدعی نبوّت پیدا ہوتا ہے، اس کو صادق و کاذب ثابت کرنے کے لیے کوئی پیمانہ چاہیئے اور وہ بھی ایسا ہونا چاہیے کہ جو سب کی سمجھ میں آئے، ہماری طاقت اور ذہانت اسی میں صرف ہو رہی ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ فلاں جعلی مدعی نبوّت ہے، فلاں دجّال و کذّاب ہے، صدیوں تک یہودی اور مسیحی دنیا اس آزمائش

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علامہ اقبال کے مدراس کے لکچرز

(RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM)

میں مبتلا رہی ہے۔

یہاں معتبر یہودی و عیسائی مآخذ کے صرف دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں، امریکی برطانی جیوش ہسٹاریکل سوسائٹی کا ایک فاضل رکن ـــــ (ALBERT M. SAYMSON) البرٹ ایم سائمسن انسائیکلو پیڈیا مذاہب و اخلاق" میں لکھتا ہے"

"یہودی حکومت کی آزادی سلب ہو جانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلا وطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امید اور خوش خبری کے یہ پیغام بر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن (جہاں سے ان کے آبا ر و اجداد نکال باہر کیے گئے تھے) واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے "مسیح" ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے تھے جہاں یہود پر ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جاتا تھا، اور اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہو جاتے تھے، اس قسم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا، اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم عاری ہوا کرتی تھیں، لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا، نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں ضم ہو جاتے تھے۔"[1]

---

[1] (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGIONS AND ETHICS)

مدرسہ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر ہارٹ فورڈ مسیحیت کو پیش آنے والے اس ابتلا کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM) کے مدعی ہوتے تھے، بہت جلد بے اعتمادی پیدا کر دی اور کلیساؤں اور ان کے رہناؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا، تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا ، جو جانا پہچانا بھی ہوتا، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جنھیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے اور ان پر بذریعہ وحی اپنے رازہائے سربستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک ایسا کوئی معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا جس کے ذریعہ ان مدعیانِ روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جا سکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا، اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہوتا تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کر کے رہتا تاکہ اس کے ذریعہ مذہب کو بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو الحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے"[1]

"قادیانیت" کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست

علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے، صورت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے ربع اوّل میں ہندوستان کے مشہور و معروف مجاہد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء)

---

[1] (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGIONS AND ETHICS)(VOL. X p. 383)

نے جو جہاد کی تحریک چلائی، اس سے مسلمانوں میں جہاد اور قربانی کی آگ بھڑک اٹھی، ان کے سینوں میں اسلامی شجاعت اور حوصلہ مندی موجزن ہونے لگی، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں سر ہتھیلیوں پر لیے ہوئے اس تحریک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے، جس کی سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لیے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں۔

معتبر تاریخی روایات اور معاصر باخبر شخصیتوں کی شہادت ہے کہ سیّد احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی، اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار تک پہونچتی ہے، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قائم ہونے کے خطرہ کا سب سے پہلے احساس (سلطان ٹیپو شہید ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ء کے بعد) انھیں کو اور ان کی جماعت کو ہوا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے (جس کو غدر سے تعبیر کیا جاتا ہے) بہت پہلے ان کو اس خطرہ کا مقابلہ کرنے اور ملک کو اس سے بچانے کی ضرورت کا احساس ہوا، انھوں نے اس وقت کے مہاراجہ گوالیار دولت راؤ سندھیا اور ان کے وزیر ہندو راؤ کو جو خط لکھا اس میں صاف طور پر تحریر فرمایا:۔

"یہ بیگانگان، بعید الوطن، و تاجران متاع فروش"، ہمارے ملک پر قابض ہونے جا رہے ہیں، آئیے ہم آپ مل کر ان کا مقابلہ کریں اور ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کریں پھر بعد میں دیکھا جائے گا کہ کون سی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے، اور کس کو کیا اختیار دیا جائے"[1]

---

[1] ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

انگریزی اقتدار کا مقابلہ کرنے میں بھی بہت بڑا ہاتھ ان کی جماعت کے مجاہدین کا تھا۔[1]

واقفین جانتے ہیں کہ اس بیعت سے عقیدہ کی تصحیح، توحید خالص، اتباع سنت عمل بالشریعت اور تزکیۂ نفس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور عزم بھی واضح اور طاقت ور طریقہ پر پیدا ہوتا تھا،

اس کی ایک مثال اور ثبوت یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے افواج کے کمانڈر جرنل بخت خاں جن کے سپرد خاص طور پر انگریزی افواج سے جنگ اور مقابلہ کی ذمہ داری تھی، کہتے ہیں کہ میں جب سید صاحبؒ کے مشہور اور جلیل القدر خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری سے بیعت ہوا تو انھوں نے بیعت کے دوران مجھ سے یہ وعدہ بھی لیا کہ میں انگریزی افواج سے جنگ بھی کروں گا۔

ہندوستان میں نوخیز انگریزی اقتدار کے اس جماعت کے مجاہدین سے خوف و خطرہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو انبالہ عدالت میں انگریز جج ایڈورڈس نے مولانا یحیٰی علی عظیم آبادی، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری اور مولانا عبدالرحیم صادق پوری کو حکومت انگریزی کے خلاف سازش اور جدوجہد کی بنا پر پھانسی دیئے جانے کا حکم سنایا، لیکن یہ حکم سن کر ان کے چہرے پر ایسی مسرت ظاہر ہوئی کہ مجمع دیکھ کر حیران رہ گیا، جب ایک انگریز افسر نے اس کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ "میں نے آج تک ایسا منظر نہیں

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سر ولیم ہنٹر کی کتاب (OUR INDIAN MUSALMANS)

دیکھا کہ پھانسی کا حکم سنایا جائے اور پھانسی پانے والے ایسے خوش اور مطمئن ہوں''، اس پر مولوی محمد جعفر صاحب نے جواب دیا کہ ہمیں اس کی خوشی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ہمیں شہادت کی نعمت نصیب فرمائی، تم بے چاروں کو اس کا مزا کیا معلوم؟ دوسرے دونوں ملزموں نے بھی اسی مسرت کا اظہار کیا، پھانسی گھر میں بھی ان چاروں ملزموں کے مسرت و بشاشت کا یہی حال تھا،

انگریز ان قیدیوں کے سرور و نشاط کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ تم موت کے دروازہ پر ہو، اور کچھ دن میں تم کو پھانسی ہونے والی ہے لیکن تمہارے اوپر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، وہ جواب دیتے کہ اس شہادت کی وجہ سے جس کے برابر کوئی نعمت و سعادت نہیں، یہ حضرات کچھ عرصہ پھانسی گھر میں رہے اور انگریز حکام کے لیے یہ مسئلہ ایک معمہ بن گیا بالآخر ایک دن انبالہ کا حاکم ضلع (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جیل میں آیا اور اس نے ان تینوں کو خطاب کر کے کہا:۔

''اے باغیو! چونکہ تم پھانسی کے خواہش مند ہو اور اس کو راہ خدا میں شہادت سمجھتے ہو اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنی دلی مراد کو پہونچو اور خوشی سے ہمکنار ہو، اس لیے ہم پھانسی کا حکم تبدیل کر کے تم کو جزائر انڈمان میں عمر قید (حبس دوام بعبور دریائے شور) کی سزا دیتے ہیں''۔

مولانا یحییٰ علی نے چار سال کے بعد جزائر انڈمان کے پورٹ بلیر میں وفات پائی، مولوی محمد جعفر تھانیسری ۱۸ سال قید بامشقت کے بعد رہا ہوئے، مولانا احمد اللہ صاحب رہا ہو کر ہندوستان آئے۔

ادھر کچھ عرصہ کے بعد سوڈان میں شیخ محمد احمد سوڈانی نے جہاد اور مہدویت کا نعرہ بلند کیا جس سے سوڈان میں برطانیہ کا اقتدار تزلزل میں آگیا، اس کو معلوم تھا کہ یہ چنگاری اگر بھڑک اٹھی تو پھر قابو میں نہیں آئے گی، اور پھر سید جمال الدّین افغانی کی تحریک اتحاد اسلامی کو اس نے پھیلتے اور مسلمانوں میں مقبول ہوتے دیکھا، انگریزی حکومت نے ان سب خطرات کو محسوس کیا، اس نے مسلمانوں کے مزاج و طبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اس کو معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے، دین ہی انھیں گرماتا ہے، اور دین ہی انھیں ٹھنڈا کر سکتا ہے، لہذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ان کے عقائد پر اور ان کے دینی میلان اور نفسیات پر قابو پایا جائے، مسلمانوں کے مزاج میں درخور حاصل کرنے کے لیے دین کے سوا کوئی ذریعہ نہیں،

اس مقصد کے لیے برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں سے کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جائیں، اور وہ انھیں حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ رہے، یہ حربہ تھا جو برطانوی حکومت نے اختیار کیا کیونکہ مسلمانوں کا مزاج بدلنے کے لیے کوئی حربہ اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی، جو ذہنی انتشار کے مریض تھے[۱] اور بڑی شدّت سے

---

[۱] اس شخص میں تین ایسی چیزیں بیک وقت جمع تھیں، جنھیں دیکھ کر ایک مؤرخ یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ان میں اہم ترین اور حقیقی سبب کسے قرار دیا جائے، جس نے ان سے (باقی حاشیہ ۲۲ پر)

اپنے دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کے بانی بنیں، ان کے کچھ متبعین اور موافقین ہوں، اور تاریخ میں ان کا ویسا ہی نام اور مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ہے، انگریز کو اس کام کے لیے موزوں شخص نظر آئے اور گویا انھیں ان کی شخصیت میں ایک ایجنٹ مل گیا جو ان کے اغراض کے لیے مسلمانوں میں کام کرنے، چنانچہ انھوں نے بڑی تیزی سے کام شروع کیا، پہلے منصب تجدید کا دعویٰ کیا پھر ترقی کرکے امام مہدی بن گئے، کچھ دن اور گزرے تو مسیح موعود ہونے کی شہادت دی، اور آخر کار نبوّت کا تخت بچھا دیا، اور انگریز نے جو چاہا تھا وہ پورا ہو گیا۔

ان بزرگ نے اپنا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کیا اور انگریز نے بھی اس تحریک کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی، اس کی حفاظت بھی کی، اور ہر طرح کی سہولتیں اس کام میں بہم پہونچائیں، مرزا صاحب نے بھی گورنمنٹ کے ان احسانات کو فراموش نہیں کیا، اور ہمیشہ وہ اس بات کے معترف رہے کہ ان کا نمود برطانیہ عظمیٰ کا رہین منّت ہے، چنانچہ اپنی ایک تحریر میں خود کو حکومت برطانیہ کا "خود کاشتہ" پودا قرار دیا ہے وہ اپنی اس درخواست میں جو لفٹنٹ گورنر پنجاب

(ص۲۱ کا بقیہ)
یہ ساری حرکات سرزد کرائیں، (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچا جائے اور نبوّت کے نام سے پورے عالم اسلامی پر چھایا جائے (۲) وہ مالیخولیا جس کے بار بار تذکرہ سے ان کی ان سے متعلق اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں (۳) مبہم اور غیر واضح قسم کے سیاسی اغراض و مفادات اور سرکار انگریزی کی خدمت گزاری اور نمک حلالی۔

کو ۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء میں پیش کی تھی لکھتے ہیں:

"یہ التماس ہے کہ سرکارِ دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار، جانثار خاندان ثابت کر چکی اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کی خیر خواہ اور خدمت گزار ہے، اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم واحتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے، اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائیے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔"[۱]

اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گزاریوں کو گناتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"میری عمر کا اکثر حصّہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے، اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں، میں نے ایسی کتابوں کو تمام عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔"[۲]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک

---

[۱] خطوط [۲] تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۱۹، [۳] "تریاق القلوب"، از مرزا قادیانی"

پہونچا ہوں، اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں، تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں، اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال "جہاد" وغیرہ کو دور کردوں، جو ان کی دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔[1]

اور اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھتے جائیں گے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔"[2]

ایک جگہ اور کہتے ہیں کہ:

"میں نے بیسیوں کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں، بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے، چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلام میں پہونچائی ہیں، اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک (ہندوستان) پر بھی پڑا ہے، اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں، وہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں، ان کی اخلاقی

---

[1] ضمیمہ شہادۃ القرآن از مرزا طبع ششم [2] ضمیمہ شہادۃ القرآن از مرزا طبع ششم

حالت اعلیٰ درجہ پر ہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام ملک کے لیے
بڑی برکت ہیں، اور گورنمنٹ کے لیے دلی جاں نثار ہیں۔[۱]

مرزا غلام احمد صاحب کی اس تحریک اور ان کی اس جماعت نے انگریزی حکومت کے لیے بہترین جاسوس اور بڑے سچے دوست اور جاں نثار فراہم کیے، اس گروہ کے بعض چیدہ اشخاص نے ہند اور بیرون ہند میں انگریزی حکومت کی بیش قیمت خدمات انجام دیں اور اس سلسلہ میں جانی قربانی تک سے دریغ نہیں کیا، جیسے عبد اللطیف صاحب قادیانی جو افغانستان میں مذہب قادیانی کی تبلیغ اور جہاد کی مخالفت کرتے تھے، ان کو حکومت افغانستان نے قتل کیا کیونکہ ان کی دعوت سے اس بات کا خطرہ تھا کہ افغان قوم کا وہ جذبۂ جہاد اور حوصلۂ جنگ فنا ہو جائے، جس کے لیے وہ دنیا بھر میں مشہور ہے، ایسے ہی ملّا عبد الحلیم قادیانی اور ملّا نور علی قادیانی اسی انگریزی حکومت کے لیے افغانستان میں فنا کے گھاٹ اترے، کیونکہ ان کے پاس سے حکومت افغانستان کو کچھ ایسے خطوط اور کاغذات دستیاب ہوئے جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں برطانوی حکومت کے ایجنٹ ہیں، اور حکومت افغانستان کے خلاف سازش میں مشغول ہیں، جیسا کہ افغانستان کے وزیر داخلہ کے ۱۹۲۵ء کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے، اور قادیانیوں کے سرکاری اخبار "الفضل" نے اپنی ۳ / مارچ ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں اس بیان کو نقل کیا، اور اس قربانی پر بڑے فخریہ انداز میں تبصرہ کیا۔

---

[۱] عریضہ بعالی خدمت عالیہ انگریزی من جانب مرزا غلام احمد،

علیٰ ہذا یہ قادیانی جماعت اپنے دور آغاز سے اب تک برابر تمام قوم پرور و وطن دوست تحریکات سے کنارہ کش رہی، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں نہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اس نے کوئی حصّہ لیا۔ نہ ان کے بعد، اور صرف یہی نہیں بلکہ انگریزوں کی چودھراہٹ میں یوری قزّاقوں کی ٹولی (مستعمرین) کے ہاتھوں عالم اسلام پر جو مصائب ٹوٹ رہے تھے، وہ ان کے لیے موجب غم نہیں باعثِ مسرّت تھے، انھیں کبھی عام زندگی سے اسلامی مسائل سے یا ان اسلامی تحریکات سے جو اسلامی حمیّت یا سیاسی شعور کا نتیجہ تھیں، کوئی دلچسپی نہیں رہی، ان کا کام ہمیشہ مذہبی مباحثہ اور موشگافیاں تھیں، اور ان کی دلچسپیوں کا دائرہ صرف وفات مسیح، حیاتِ مسیح، نزول مسیح اور نبوّتِ مرزا غلام احمد پر مباحثوں اور مناظروں تک محدود رہا۔

مرزا صاحب کا خاندان انگریزی حکومت سے جو پنجاب میں نئی نئی قائم ہوئی تھی، شروع سے فرمانبردارانہ و مخلصانہ تعلّق رکھتا تھا، اس خاندان کے متعدد افراد نے اس نئی حکومت کی ترقی، اور اس کے استحکام میں جاں بازی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا، اور بعض نازک موقعوں پر اس کی مدد کی تھی، مرزا صاحب کتاب البریہ کے شروع میں "اشتہار واجب الاظہار" میں لکھتے ہیں:۔

"میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے، میرا والد مرزا مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار و خیر خواہ آدمی تھا، جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی، اور جن کا ذکر مسٹر گرائفن صاحب کی تاریخ رئیسانِ پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار

انگریزی کو مدد دی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے، ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھی، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں، مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ گئی ہیں، ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں، میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا، اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا، تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔[1]

وفات

مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا[2]، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا، تو علمائے اسلام نے ان کی تردید اور مخالفت شروع کی، تردید اور مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہل حدیث" پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر

۱؎ ملاحظہ ہو حاشیہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۲ ۔ صفحہ ۱۴۴

۲؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرۃ المہدی"، باب ثانی فصل دوم

ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں، تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام و ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے، تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔

اور اگر میں کذّاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مُشرّف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنّت اللہ کے موافق آپ مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔"

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے۔ اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا، رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی، لیکن ضعف بڑھتا گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی، بالآخر ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء سہ شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا، مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کا بیان ہے:-

حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا، جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا، جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب

کرکے فرمایا:

"میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے، اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی، یہاں تک کہ دوسرے دن ۱۰ بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا"

جبکہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں اسّی برس کی عمر میں وفات پائی۔

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت پاک، تعلیمات اور نبوت کے لافانی کارناموں پر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی اہم مطبوعات۔

نبی رحمت

سیرت پاک کا جامع و مکمل مرقع جس کی ترتیب و تالیف میں قدیم و جدید معلومات و تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش کی گئی ہے۔ عربی اردو انگریزی ہندی چاروں زبانوں میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

محسن عالم

ایک اہم تقریر جس میں تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح معنوں میں رحمتِ عالم و محسنِ انسانیت ہیں اور آپ کا احسان نسل انسانی و تمدن انسانی پر ناقابلِ فراموش اور ناقابلِ انکار ہے۔

اردو، ہندی انگریزی تینوں زبانوں میں یہ تقریر موجود ہے۔

کاروانِ مدینہ

مختلف تقریروں اور مضامین کا مجموعہ جن کا تعلّق ذات نبوی اور آپ کی سیرت پاک، نبوّت محمّدی کے عطیات واحسانات اور اُس کے عالمگیر اثرات ونتائج سے ہے۔

اُردو، عربی، ہندی، انگریزی چاروں زبانوں میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

منصبِ نبوّت
اور اس کے عالی مقام حاملین

جس میں بنی نوع انسان اور تمدّنِ انسانی پر نبوّت کے احسانات انبیاءِ کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوّت کے پیدا کردہ ذہن ومزاج اور طریقۂ فکر، نبوّت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوّت محمّدی کے لافانی کارناموں اور ختم نبوّت کی ضرورت واہمیت اور اُس کے دور رس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب اُردو انگریزی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے۔

پندرھویں صدی ہجری کے لئے مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عظیم تحفہ

ایک حیات آفریں پیغام

تاریخ دعوت وعزیمت

(چھ حصّوں میں)

حصّہ اوّل : پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت وعزیمت کا مفصل تعارف، ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات ونتائج کا تذکرہ۔

حصّہ دوم : جس میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ومصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی سوانح حیات، ان کے صفات وکمالات، ان کی علمی وتصنیفی خصوصیات، ان کا تجدیدی واصلاحی کام اور ان کی اہم تصنیفات کا مفصل تعارف اور ان کے ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات۔

حصّہ سوم : حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ، حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے سوانح حیات، صفات وکمالات، تجدیدی واصلاحی کارنامے، تلامذہ اور منتسبین کا تذکرہ وتعارف۔

حصّہ چہارم : یعنی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۹۷-۱۰۳۴ھ) کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی وانقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی وتربیتی خدمات۔

حصّہ پنجم : تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، احیائے دین، اشاعت کتاب وسنت، اسرار ومقاصد شریعت کی توضیح وتنقیح۔ تربیت وارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ان عہد آفریں کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفا کے ذریعے ہوا۔

حصّہ ششم : حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد وتنظیم، اصلاح وتجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ۔

(دو جلدوں میں مکمل)